کوئی مسئلہ، جو اسلام کے مختلف اسکولوں اور علما میں مختلف فیہ ہو، اہل علم کی مجالس یا کتابوں کے صفحات میں اس قصد سے مذاکرہ و تحقیق کی بساط پر لایا جائے کہ تبادلۂ خیالات اور تعاون آرا و افکار کی مدد سے اس کا قطعی اور فیصلہ کن حل پیدا کیا جائے یہاں تک کہ وہ مسئلہ ایک استخوانِ نزاع ہونے کی بجائے ایک متفق علیہ مسئلہ بن جائے۔[1]

میں نے یہ چیز نہیں پائی، حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ ایسا ہونا نہایت ضروری تھا۔ بے شبہ دین کے مختلف طریقوں اور زندگی اور افکار و خیالات کی مختلف راہوں کا اختلاف ناگزیر اور تقدیر الٰہی سے ہے لیکن یہ مقصود خداوندی نہیں ہے۔ بلکہ یہ چیز تو اس بات کا وسیلہ بنائی گئی تھی کہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں آرا و افکار ترقی کریں اور لوگوں کے لیے اتفاق و اتحاد کا نقطہ پیدا کریں تاکہ لوگ اس چیز پر مجتمع ہو جائیں جو اصلح و اوفق ہے۔

یہ چیز میرے عقیدے میں، تمام مسائل مہمہ میں ضروری تھی اور امت کے فرائض میں داخل۔ اگر مسلمان فقہی مذاہب میں مختلف تھے (مثلاً بسم اللہ کے جہراً پڑھنے یا آمین بالجہر یا رفع یدین یا اشارۂ تشہد یا ہاتھ چھوڑنے یا قنوت فجر و وتر یا کلمات اقامت وغیرہ کے باب میں) تو اس طرح کے اختلاف میں چنداں ہرج نہیں تھا۔ اس طرح کے اختلافات کا برابر قائم رہنا بھی کچھ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ یہ ساری باتیں جائز ہیں اور سب پر سنت کے دلائل موجود ہیں۔ لیکن ایسے مسائل میں اختلاف، جن کا تعلق قرآن کریم یا اس کی آیات کے معانی سے ہے، نہایت اہم چیز ہے اور اس کا دوام کسی طرح جائز نہیں ہے بلکہ امت اور ائمہ امت پر فرض ہے کہ ان کا ایسا قطعی حل دریافت کریں جس پر پہلے اہل علم اتفاق کریں، اور بالآخر ان پر ساری امت میں اتفاق ہو جائے۔ میرے نزدیک یہ بات ممکن بلکہ نہایت سہل و آسان ہے۔

ہمارے اختلافی مسائل میں ایسے اہم اور عظیم الشان مسائل ہیں جن میں اختلاف ہونا کتاب کریم کی عظمت اور اسلام کے شرف کے خلاف ہے اور اگر بالفرض ان میں اختلاف واقع ہو گیا ہے تو اس اختلاف کا باقی رہنا شرف اسلام کے منافی ہے۔

---

[1] علامہ نے ان سطور میں علمائے ہند کی نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کا حرف حرف صحیح ہے بلکہ اس سے زیادہ ملامت و تحقیر کے وہ سزاوار ہیں لیکن نہایت ادب کے ساتھ ہم اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ ان جرائم کے مجرم تنہا ہندوستان ہی کے علما نہیں ہیں بلکہ اس باب میں تمام عالم اسلامی کے علما کا حال یکساں ہے۔ ہر جگہ کے مدارس میں قرآن متروک و مہجور ہے۔ ہر جگہ اس گروہ میں رعونت، کبر اور خود پرستی کی وہی بیماریاں ہیں جو علامہ کو یہاں کے علما میں نظر آئی ہیں۔ علم و تحقیق کی خواہش، اور اس کی قدر و حق شناسی بھی ہر جگہ مفقود و معدوم ہے اور تبادلۂ افکار اور تعاون آرا کے ذریعہ رفع نزاع اور تحقیق کی تمنا جو علامہ نے ظاہر فرمائی ہے اس کا بھی کہیں سراغ نہیں لگتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ کے علما اپنے انجام کو پہنچ گئے اور قدرت کی طرف سے ان جرائم کی جو سزا مقدر تھی وہ ان کو مل چکی۔ اب شاید صرف ہندوستان ہی باقی رہ گیا ہے جہاں فیصلہ کی آخری گھڑی ابھی نمودار نہیں ہوئی ہے اور گو بظاہر حالات کوئی ابھی پیشنگوئی تو یہاں کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہاں دوسرے ممالک کے اعتبار سے حالات پہلے بھی بہتر رہے ہیں اور اب بھی بہتر ہیں۔ یہاں ابتداء سے صالح الفکر علما کا بھی ایک گروہ رہا ہے جس نے علم و تحقیق کی راہوں میں بھی نہایت قیمتی خدمات انجام دیں اور اصلاح فکر اور اقامت دین کی جد و جہد کی بھی طرح ڈالی۔ یہ گروہ تعصب اور تنگ نظری سے بھی پاک تھا اور اس نے ہر قسم کی خدمت علم و دین کی قدر کی خواہ وہ کسی گروہ اور کسی ملک کے علما کے ہاتھوں انجام پائی ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ علامہ اگر انصاف سے غور کریں گے تو وہ ہندوستان کی اس امتیازی خصوصیت کو خود محسوس فرمائیں گے اور یہ بات ان کے جیسے بلند پایہ عالم کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ محض ترجمان القرآن کے تنقیدِ "کی بے دانشی" کی بنیاد پر ہندوستان کے سارے علما پر وہ فتویٰ لگا دیں جو انھوں نے لگایا ہے۔ ہم ان کو اس سے ارفع سمجھتے ہیں کہ ان کی کسی بات میں قومی و نسلی تفاخر کی بو ہو کیونکہ یہ چیز اسلامی روح کے منافی ہے۔

اسی احساس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو ہدایت دی کہ میں نے چند کتابیں لکھیں پھر اللہ ہی کی مدد سے ان کو چھاپا اور شائع کیا۔ ان کتابوں میں نہایت اہم مسائل ہیں۔ بلا مبالغہ سَو سے زیادہ۔ یہ سارے مسائل قرآن کریم سے متعلق ہیں اور ان سب کے بارہ میں علماء میں، قدیم زمانہ سے نہایت شدید اختلافات برپا رہے ہیں جن کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان مسائل کے قطعی حل کے لیے کوشش کی تاکہ ان شبہات کا قلع قمع ہو سکے۔

۱۔ ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ قرآن مجید کے عہد نبوت میں جمع و ترتیب اور عہد خلافت راشدہ (بزمانہ حضرت صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم) میں اس کے نقل و کتابت کا مسئلہ ہے۔ یہ دونوں مسئلے تمدن انسانی کی تاریخ کے نہایت اہم مسائل اور آغاز اسلام کے عظیم ترین واقعات میں سے ہیں۔[1]

۲۔ دوسرا مسئلہ قرأت سبعہ کا ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ حروف سبعہ والی حدیث کے بارہ میں زمانۂ قدیم سے ایسا شدید اختلاف ہے کہ کسی دوسرے اہم مسئلہ میں اس طرح کا اختلاف واقع نہیں ہوا۔ کتابوں میں اس کے متعلق چالیس اقوال ملتے ہیں لیکن کسی کتاب میں حروف کے معنی نہیں سمجھے گئے اور نہ کسی نے اختلاف صحابہ کے سلسلہ میں کسی ایسے حرف کا ذکر کیا جس میں اختلاف واقع ہوا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی نفسہ اس اختلاف پر کبھی خفگی نہیں ظاہر فرمائی البتہ اس باب میں ایک کو دوسرے پر جب اعتراض ہوا تو اس پر آپ نے خفگی ظاہر فرمائی۔ آنحضرت صلعم ہر صحابی کو اسکی قرأت پر باقی رکھتے تھے۔ تفسیروں اور شروح احادیث میں اس کے متعلق ہمیں کوئی ایسی تفصیل نہیں ملتی جس پر مسلمانوں کا دل مطمئن ہو سکے اور تمام امت کا عقیدہ اس پر جم سکے۔ سب سے زیادہ حقیقت سے دور جو چیز اہل علم کی کتابوں میں مجھے نظر آئی وہ اس بات پر اجماع کا دعویٰ ہے کہ جن سات قرأتوں (حروف) پر قرآن کریم نازل ہوا ہے ان میں سے چھ منسوخ ہو چکی ہیں۔ حالانکہ قرأت سبعہ پر قرآن کریم کو نازل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (بے شک ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

جن لوگوں کو سرے سے اس بات کا پتہ ہی نہیں کہ حروف سبعہ ہیں کیا اور حروف کے کیا معنی ہیں انھیں یہ دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ سات میں سے چھ قرأتیں منسوخ ہو گئیں۔[2]

۳۔ تیسرا مسئلہ قرآن کریم کی آیات کے نسخ کا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نہایت مشہور اور غایت درجہ اہمیت رکھنے والا ہے۔ اصول فقہ اور تفسیر کی

---

[1] علامہ نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے ہم نے اپنی تنقید میں اس کی تعریف کی ہے ہمارے الفاظ یہ ہیں "ترتیب قرآن کی جو تاریخ مصنف نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے اگرچہ ہمیں مصنف کی بعض دلیلوں سے اختلاف ہے۔" ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے باوجود علامہ کی یہ بدگمانی کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ محض تنگ نظری اور ذہنیت کی بنا پر ان کی کوشش کی تحقیر کی گئی ہے۔

[2] اس بحث کے متعلق ہم نے لکھا تھا کہ "یہ رطب و یابس کا مجموعہ ہے۔" اور کوئی صاحب علم بھی اس کو پڑھکر شاید اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ البتہ ہم یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ قرأت ستہ بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح وہ قرآن جو امت کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کا لازمی تقاضہ یہ تھا کہ عہد نبوت اور خیر القرون ہی میں امت کو ایک نسخہ، ایک ترتیب اور ایک ہی قرأت پر مجتمع کر دیا جائے اور یہ کام بہترین ہاتھوں اور بہترین طریقہ پر انجام پا گیا اور امت کے تواتر نے اس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ ہماری کتب تفسیر میں جو اختلاف قرأت مذکور ہے وہ ہمارے نزدیک بیشتر تاویل کا اختلاف ہے یعنی بعض آیات یا کسی لفظ کے معنا کو صحابہ اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کو عین قرآن یا تواتر کا درجہ دینے میں ہمیں سخت تأمل ہے اور اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس میں سخت فتنے پوشیدہ ہیں۔

کتابوں میں اس پر زمانہ قدیم سے معرکہ آرائیاں ہیں لیکن آج تک اس نزاع کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اتقان میں ۲۱ آیتیں منسوخ ہیں، اور انھوں نے لکھا ہے کہ پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے پر اجماع ہے اور ان پانچ کو ذکر بھی کیا ہے۔ اس مبحث پر میں نے ایک کتاب لکھی اور ثابت کر دیا کہ ان پانچ میں بھی نسخ ثابت نہیں ہے۔ نہ باعتبار نظم، نہ باعتبار معنی[1]

۴۔ چوتھا مسئلہ آیات قرآن میں شاذ پہلوؤں سے متعلق ہے[2]

یہ سارے اساسی اور اہم مسائل اور اس قبیل کے دوسرے مسائل میں نے اہل علم کے سامنے اس قصد سے پیش کیے تاکہ آرا و افکار کے توارد و تبادلہ سے ان کو حل کیا جائے[3] اور میں نے ان کا آخری اور قطعی حل پانے کی کوشش کی اور میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اس کا شکر گذار ہوں کہ طلب صادق اور اخلاص کامل کے ساتھ جد و جہد کرنے کی وجہ سے میں نے ان مسائل مہمہ میں سے اگر کل میں نہیں تو اکثر میں وہ سب کچھ پا لیا جس کا طلب گار تھا۔ انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب۔ اور میرا کیا گناہ ہے اور میں نے کیا جرم کیا ہے اور کون مجھکو الزام دے سکتا ہے اگر میں کہیں چوکا ہوں یا کسی بات کے حل کرنے سے عاجز رہا ہوں بشرطیکہ میں نے اس کے لیے کوشش کی ہے!

جو حضرات تعلیم و ارشاد کی مسندوں پر بیٹھے ہیں اور اپنے تئیں اس سے ارفع سمجھتے ہیں کہ کتاب کے صفحات پر ایک اچٹتی نظر بھی ڈال لیں اگر وہ غرور اور گھمنڈ کے ساتھ، اس کو ایک ترچھی نگاہ سے دیکھکر، ملامت انگیز لب و لہجہ میں کہنے لگیں کہ "تو نے جھک مارا، اور ایک سعی لاحاصل میں سر کھپایا" تو اس سے میرا کیا بگڑتا ہے۔ میں اس بوالفضولی سے شریفانہ درگذر کروں گا، اور ٹھنڈے دل سے یہ عرض کروں گا کہ میرا فرض صرف کوشش کرنا تھا، کسی نتیجہ تک پہنچنا انسان کے بس میں نہیں ہے[4]"

[1] علامہ کی یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے اس وجہ سے ہم اس کے حسن و قبح سے بالکل بے خبر ہیں۔ لیکن ہم قرآن میں نسخ کے قائل ہیں اور جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کو ہدایت کا منکر سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اس چیز سے ان کا فرار محض قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ نہ محل نسخ سے واقف ہیں اور نہ اس بات کو سمجھے ہیں کہ نسخ خدا کی ضروریات میں سے نہیں بلکہ بندوں کی ضروریات میں سے ہے اور حکمت تعلیم و مصلحت تدریج اس کی متقضی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے محیط ہونے پر اس سے ہرگز کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ [2] اس بحث سے اگر وہی بحث مراد ہے جو کتاب میں الوجوہ الشاذہ کے عنوان سے موجود ہے تو ہماری دلی خواہش یہی ہے کہ کاش علامہ اس بحث کو نہ لکھتے۔ [3] علامہ مراسلہ کے شروع میں یہ فرما چکے ہیں کہ "میں نے یہ کتابیں طلبہ کے استفادہ کے لیے شائع کیں نہ کہ مدارس کے اساتذہ اور ہندوستان کے علماء کے لیے۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے علماء حضرات بڑے لوگ ہیں۔ ۱۲" یہاں وہ اپنی تصنیف کی وجہ اس سے بالکل مختلف بتاتے ہیں [4] علامہ کی یہ آزردگی بالکل بے سبب ہے ہم نے کہیں بھی ان کی اس ساری جد و جہد کو سعی لاحاصل نہیں قرار دیا ہے۔ ہم نے سعی لاحاصل اس جد و جہد کو قرار دیا ہے جو علامہ نے نزولی ترتیب کے اسرار بیان کرنے میں صرف فرمائی ہے، اور اس کے سعی لاحاصل قرار دینے کے بھی معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ علامہ اس سلسلہ میں نکات و لطائف نہیں پیدا کر سکے ہیں بلکہ اس کو لاحاصل قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترتیب دین میں معتبر نہیں ہے چنانچہ علامہ نے آگے چل کر اس مراسلہ میں بھی اس کا اقرار فرمایا ہے کہ "تلاوت، کتابت، طباعت اور استدلال میں اعتبار مصاحف کی ترتیب کا ہے نہ کہ نزولی ترتیب کا"۔ پس جو ترتیب دین میں معتبر نہیں ہے اور جس کے صحیح علم کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے جیسا کہ آگے واضح ہوگا، اگر کوئی ذہین آدمی صحیح و سقیم روایات کی مدد اور اٹکل کے تیر تکے چلا کر کوئی ترتیب کھڑی کر دے اور پھر اس کے اسرار و نکات بیان کرے تو اس کی ذہانت کی داد تو ضرور دی جا سکتی ہے کہ وہ بے جوڑ چیزوں میں بھی جوڑ ملا سکتا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس کی سعی لاحاصل ہی کہی جائے گی کیونکہ نہ تو دین میں اس ترتیب کا اعتبار ہے اور نہ اسی بات پر کوئی اعتماد کیا جا سکتا کہ اس نے جو عمارت کھڑی کی ہے وہ فی الحقیقت کسی اساس پر قائم ہے

جو شخص ان مسائل کو اہمیت دیتا ہے، اور منصف بھی ہے اس کو البتہ یہ بات معلوم ہوگی کہ یہ کتاب ان چاروں اہم مسئلوں کو نہایت سہل طریقہ پر ایک قطعی اور فیصلہ کن صورت میں پیش کرتی ہے اور ان کا مولف اپنی اس سعی کے صلہ میں کسی چیز کا طالب نہیں ہے اگرچہ زمین کے برابر اس کو سونا دیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی۔ اور اسی کے برابر اس دنیا کے اعلیٰ ترین نفائس بھی۔

میں نے اس کتاب کا نام "ترتیب السور" رکھا اور اس نام میں نہ کوئی اظہار وادعا مضمر ہے اور نہ کسی برتری کا گھمنڈ ہے۔ سورتوں کی ترتیب علوم قرآن کے سلسلہ کی سب سے ابتدائی چیز ہے۔ میں پہلے مسلمان بچوں کو علوم قرآن کی دعوت دیتا ہوں پھر ان کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ قرآن حکیم کے معانی کا مشاہدہ براہ راست روئے مصحف کے جمال میں کریں اس طرح کہ وہ ان کے سامنے ہر بیان ور روایت اور تفسیر و تاویل کے غبار سے بالکل صاف ہو اور اس پر کسی قسم کا بھی کوئی حجاب نہ ہو۔

میں اللہ کی کتاب کی طرف ایک بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی اور وہ بھی جن کی ہدایت سے میں نے ہدایت اور جن کے طریقہ سے میں نے رہنمائی حاصل کی۔ میری مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہے اور انہی کی رہنمائی کی پیروی کی رسول اللہ کے خلیفہ صدیق اکبرؓ نے اور زید بن ثابتؓ نے پھر تمام صحابہ نے ان کے بعد۔

پس اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس پر اجماع ہے تو اس کو اس دعوی کا حق ہے۔ یہ اجماع اللہ کی تائید اور روح القدس کی من جانب اللہ تصدیق سے ہوا۔

ترتیب سور کی فصل میں میں نے ترتیب نزول اور ترتیب مصاحف (۱۲ : ۱۶) نہایت واضح ایجاز اور خوبصورت اجمال کے ساتھ پیش کی ہے جس سے تمام ضروری تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔ اور ترتیب نزول عقیدہ اہل اسلام میں قدیم ترین اور ثابت ترین ترتیب ہے کیونکہ نزول اللہ کے علم سے ہوا اور ترتیب نزول اللہ کے ارادہ سے ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورہ اللہ سے اس کی ترتیب کے ساتھ پاتے تھے اور تمام صحابہ کرام نے پورے زمانہ نزول میں، جو ۲۳ سال کی مدت پر مشتمل ہے، ترتیب نزول کا مشاہدہ کیا ایسا مشاہدہ جس کو کوئی انسان بھی بھول نہیں سکتا۔ صحابہ کرام سے کبار تابعین نے اس علم کو اخذ کیا، اور وہ علی الاطلاق اعدل امت اور ان تمام چیزوں کی حفاظت کے نہایت شائق تھے جن کو کتاب الٰہی سے کوئی علاقہ تھا۔ ان حضرات کی تعریف میں خود حضور کا ارشاد ہے کہ "ہر خلف کے عادلین اس علم کے حامل ہوں گے"۔

سب سے پہلا علم جس کو قرآن حکیم سے تعلق ہے ترتیب نزول کا علم ہے جس کا صحابہ کرام نے مشاہدہ کیا اور جس کو ان سے تابعین نے اخذ کیا اور پھر ہر قرن کے ثقات و عادلین اس علم کے حامل ہوتے رہے اگرچہ بعد کی صدیوں میں مدارس نے اس کو نصاب تعلیم سے خارج کر دیا۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ نزول قرآن اللہ کے علم سے ہوا اور ترتیب نزول اللہ کے ارادہ سے ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورہ و آیت، جو نازل ہوتی تھی، اس کی ترتیب کے ساتھ پاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اس پورے زمانہ نزول میں اس کی ترتیب نزول کا اس طرح مشاہدہ کیا کہ اس طرح کے مشاہدہ کو کوئی انسان بھول ہی نہیں سکتا۔ پھر اس علم کو تابعین نے لیا۔ اس کی حفاظت کی اور اس کو ضبط کیا۔ اور تابعین میں سے کسی کے حفظ میں کسی طرح کا وہم اور خلل نہیں تھا۔ اور ایسی بھی کوئی بات نہ تھی جو انہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کے صحابہ پر جھوٹ باندھنے اور وضع حدیث پر آمادہ کرے۔ پس ترتیب نزول کے باب میں ہمارا علم اسی طرح قطعی ہے جس طرح سارے مشاہدات قطعی ہیں۔[1]

[1] نزولی ترتیب پر اجماع اور مشاہدات کی سی قطعیت کا دعویٰ علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے وسیع النظر عالم کی طرف سے ہمارے لیے حیرت انگیز ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۸۱ پر)

پس جو شخص ترتیب سور کی تحقیق کی وجہ سے مجھ پر مستشرقین کی تقلید کا الزام لگاتا ہے وہ اس تہمت سے میرے اس اخلاص کو باطل ٹھیراتا ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں میرے پیش نظر ہے اور اللہ کی کتاب مجھے اس تہمت سے بری قرار دیتی ہے اور میں ان شاء اللہ اللہ کے نزدیک سرخرو بندہ ہوں اور یہ سب کچھ میری کتاب ترتیب سور کی برکت سے حاصل ہوگا۔[1]

میں نے ترتیب سور کی فصل میں بیان کیا ہے کہ جو ترتیب تلاوت، کتابت، طباعت اور استدلال میں معتبر ہے وہ مصاحف والی ترتیب ہے نہ کہ نزول والی پس جہاں تک ان تینوں امور کا تعلق ہے نزولی ترتیب کو شارع حکیم نے اپنی زندگی ہی میں منسوخ کر دیا، باقی رہا علم ترتیب تو وہ نزول کی طرح باقی ہے (!؟) اور یہ علوم قرآن میں سب سے پہلی چیز ہے، بالکل ابتدائی جس کا نصاب تعلیم میں اہتمام ہونا چاہیے نہایت سہل چیز ہے اور اس میں فائدہ بہت ہے۔ کسی عالم کو بھی اس سے ناواقف نہیں ہونا چاہیے۔

جو شخص ہماری کتاب کو اٹھائے گا اور اس کو علم اور محنت کے احترام کی نگاہ سے دیکھے گا وہ پائے گا کہ اس کے مؤلف نے ان لوگوں کے اوہام کی جڑ کاٹ دی ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد اور آپ کے صحابہ کے حالات کے مقتضی کو بنیاد قرار دے کر سورتوں کی ایک نئی ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس ترتیب جدید کے باب میں ان کی کوئی بات بن ہی نہیں سکتی جب تک وہ نبی کریم صلعم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) قرآن کا نزول اللہ کے علم سے ہوا اور ترتیب نزول اللہ کے ارادہ سے ہوئی صحابہ نے اس نزول کا مشاہدہ کیا یہ ساری باتیں صحیح ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ہم علامہ کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ تابعین نے حفاظ میں کوئی رسم اور خلل ... نہیں منسوب کر سکتے تھے لیکن جب نزولی ترتیب کا سرے سے دین میں کوئی اعتبار ہی نہیں تھا، نہ تلاوت میں، نہ کتابت میں، نہ استدلال میں تو آخر وہ اس کو محفوظ رکھنے کی سعی کیوں کرتے، اور بالفرض محض تبرک تاریخی کے طور پر اس کو محفوظ رکھنا بھی چاہتے تو یاد رکھو کب تک؟ قرآن کے نزول کا حال یہ تھا کہ وہ ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا تھا اور ایک ہی وقت میں کئی کئی سورتیں معرض تکمیل میں ہوتی تھیں۔ کچھ آیتیں ایک سورہ کی اترتیں، کچھ دوسری کی، کچھ تیسری کی وعلیٰ ہذا، ایسی صورت میں صحابہ کس طرح اس بات کو محفوظ رکھ سکتے تھے کہ کون آیت کب اتری اور کون سورہ کب تمام کو پہنچی اور ان میں باہم دگر کس قدر تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا ریکارڈ رکھنے کے لیے ایک بڑے نظام کی ضرورت تھی اور یہ دردسر اس صورت میں برداشت کیا جا سکتا تھا جب نزولی ترتیب کے ساتھ کوئی مصلحت دینی وابستہ ہوتی لیکن صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نزول قرآن بلحاظ ضرورت ہوا اور سورتوں میں آیات کی ترتیب اور پھر سورتوں کے ساتھ سورتوں کی ترتیب ایک حکمت دینی پر مشتمل ہے اس وجہ سے اس کو انھوں نے محفوظ بھی رکھا اور تواتر نے اس پر دوام کی مہر بھی ثبت کر دی کیونکہ اس ترتیب پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کو قرآن سنایا، اسی ترتیب پر آنحضرت صلعم نے صحابہ کو سنایا اور پھر اسی ترتیب پر امصار و بلاد میں قرآن کے نسخے بھیجے بھی گئے اور یہی ترتیب تابعین کو ورثہ میں بھی ملی۔ رہی نزولی ترتیب تو اس کا علم تمام تر استنباط و استقراء پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں تحت اختلاف ہے۔ اس باب میں قابل وثوق روایات بہت تھوڑی ہیں، اس میں صرف ایک اسکیم تدریجی ارتقاء کے اعتبار سے موٹی موٹی قسمیں کی جا سکتی ہیں مثلاً بالکل ابتدائی سورتیں، قبل ہجرت کی سورتیں، بعد ہجرت کی سورتیں باقی ان تمام جزئی تفصیلات کی ترتیب جس کے مدعی علامہ موصوف ہیں، ناممکن ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا اور اس کو مشاہدہ کی سی قطعیت کا درجہ دینا غلو فی الدین ہے جس سے ہر مسلمان کو محفوظ رہنا چاہیے۔ علامہ کو یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ایک فرد کی اس کی زندگی میں جن ضروریات و حالات سے سابقہ پیش آتا ہے ان میں بھی کوئی ترتیب بجز تخمین، جعلی اور تعلیل کی نمایت ہوئی ... قائم نہیں کی جا سکتی اور یہاں تو ایک پوری امت کی ضروریات و حالات میں ترتیب کا سوال ہے جس کے سمجھنے کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کا علم پورے نظام کائنات کی تقدیر پر حاوی ہو اور بشر کو یہ چیز حاصل نہیں۔

[1] بے شک ہم نے یہ عذر بد لکھا ہے کہ مستشرقین کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی نزولی ترتیب کی سراغ رسانی کا ذوق بڑھ رہا ہے لیکن علامہ کو اس بات سے آزردہ نہیں ہونا چاہیے، کسی وبا کے زمانے میں اگر کوئی شخص مرتا ہے تو خواہ وہ کسی بیماری سے مرے سارے یہی کہتے ہیں کہ وبا ہی کے اثر سے مرا ہے جس ترتیب کو علامہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شارع نے منسوخ کر دیا اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا دین میں کسی پہلو سے اعتبار نہیں پھر اس پر اس شد و مد سے سوچ بچار کرنا اس کے سوا کیا معنی رکھتا ہے کہ یہ بھی اسی نئی وبا کا اثر ہے جس میں اس وقت مستشرقین اور ان کے مقلدین مبتلا ہیں اور ان کی اور ان کے کاموں کی مثالوں سے علامہ بے خبر نہیں ہوں گے۔

کی عقل، اور آپ کے قلب معصوم کو اپنی عقل اور اپنے قلب پر قیاس نہ کریں۔ ان کے قیاس میں برہان اور حد اوسط کی حیثیت ان کی ذات کو حاصل ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ اگر ہم آپ کے عہد میں ہوتے تو وہی کرتے جو آپ نے کیا اور وہی کہتے جو آپ نے کہا۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ غائب کو حاضر پر قیاس کریں[۱]۔

میں نے کتاب کا نام ترتیب السور رکھا ہے، اور مقصود اس کتاب سے سورتوں کی نزولی ترتیب اور پھر اس ترتیب کے تناسب کو واضح کرنا ہے جو مصاحف میں ہے۔ میں نے سورتوں کے اندر آیات کی ترتیب کے بیان کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پھر میں سورتوں کے اندر آیات کے تناسب و نظم کو بھی واضح نہ کر سکا اگرچہ میں نے "فقہ القرآن الکریم" میں نظم کے بعض پہلو واضح کیے ہیں۔ اور خاتمۂ کتاب میں (صفحہ ۳۴۲) میں نے اپنا وہ خیال ظاہر کیا ہے جو میں در باب نظم آیات ان لوگوں کے خلاف رکھتا ہوں جو نظم کو ناممکن سمجھتے ہیں یا اس کو واجب مانتے ہیں۔

میں نے سورتوں کی ترتیب اپنی کتاب میں تین مختلف مدارج میں واضح کی ہے۔ (۱) قصیدہ میں (۲) جدولین میں (۳) فصلوں میں اور کوئی ایسی ترتیب اپنے جی سے گھڑ کے نہیں کھڑی کی ہے جو مسلمانوں کے کسی سلسلہ میں نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے جو سلسلے ہیں ان میں نہایت معمولی اختلافات ہیں پس میں نے اسی کو اجماعی[۲] ترتیب نزول قرار دیا۔ اور جامع ازہر نے مصحف امیری کی طباعت میں جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے میں نے بھی اسی کی پیروی کی۔ اس نے آیات شمار کر کے بھی نہایت خوب کیا۔ یہ شمار کرنا سنت ماثورہ ہے اور جس نے کسی سنت کو زندہ کیا گویا اس نے ساری سنتوں کو زندہ کیا۔

تناسب کے بیان میں، میں نے قرآن کریم پر اعتماد کیا ہے اور ہر سورہ کے لیے ایک فصل قرار دی ہے اس طرح قرآن کریم میں جتنی سورتیں ہیں بیان نظم کے لیے فصلیں بھی اتنی ہی ہیں یہ بحث صفحہ ۱۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۰ پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی یہ پوری بحث ۸۵ صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

ہم تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں اور پھر ایک حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکیم و علیم کے پاس سے اس کو پایا اور یہ کتاب ام الکتاب میں ہے جو نہایت برتر اور پُر حکمت ہے۔ اس کی آیات، حروف اور سارے کلمات کی ترتیب ایک مدبر و خبیر کی دی ہوئی ترتیب ہے۔ اس کتاب میں کوئی ایسا حرف نہیں ہے جو دو حرفوں کے درمیان مقدم یا موخر ہو کر آیا ہو مگر یہ کہ اس کی تقدیم و تاخیر ایک خاص مقصد، ایک کامل علم اور ایک حکیم و علیم کی نہایت اعلیٰ حکمت کے تحت ہے۔ اس حکمت تک عقل کی رسائی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اس پر غور و فکر کرتی ہے اور پھر اس سے یا دوہائی حاصل کرتی ہے۔ مختلف آیات، اگرچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسباب و واقعات اور حوادث و ضروریات کے لحاظ سے نازل ہوئیں، لیکن جس حکیم و خبیر نے ان کو محکم کیا اور ان کی تفصیل فرمائی اس نے ایک ترتیب کے ساتھ ان کو ان کی جگہوں میں رکھا اور ان کی جڑیں جمائیں۔ جس خدا کی شان یہ ہے کہ اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی اس نے اپنی کتاب کو یونہی بغیر کسی ترتیب اور گٹھاؤ کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے اپنے علم سے اس کی ترتیب دی اور نبی کریم نے وحی الٰہی کے مطابق، علم و اہتمام کے ساتھ اور افادہ و ہدایت کو پیش نظر رکھ کر، اس کی شیرازہ بندی فرمائی۔ یہاں تک کہ ہر سورہ کی آیات اور پورے قرآن کی سورتوں میں ایک ایسا ربط و نظم پیدا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو مطلوب تھا اور عقل، اگر

[۱] ہم علامہ کی اس کاوش کے پورے احترام کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انھوں نے اپنی اس کتاب سے جن لوگوں کے اوہام کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی ہے ان کے اوہام کو اس سے غذا ملے گی اور وہ نئی نئی ترتیبیں پیدا کریں گے اور ان کے نکات و لطائف بھی کچھ کم نہ ہوں گے اور عجب نہیں کہ وہ اپنی ترتیب کو بھی اجماع اور مشاہدہ کی سی قطعیت کا دعویٰ کریں۔

[۲] کسی ترتیب نزولی کو اجماعی ترتیب قرار دینا لفظ اجماع کی حقیقت سے لوگوں کو بدگمان کرنا ہے۔

تدبر و تذکر کرے، اس مقصود تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ کتاب انزلناہ الیک مبارک ..... لیدبروا ایاتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔

یہ عقیدہ امت کے دلوں میں بلا وجہ نہیں ڈالا گیا اور نہ یہ ممکن ہے کہ جو ربط و نظم اللہ تعالیٰ نے مرعی رکھا ہے وہ ایک معمہ بنا رہے جو کبھی حل ہی نہ ہو۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ بچوں کا ایک کھلونا ہو جو حاصل ہو بھی تو لاحاصل ہی رہے۔ ان ھو الا ذکر للعالمین ولتعلمن نبأہ بعد حین۔

چنانچہ میں نے اللہ پر بھروسہ کر کے عزم کیا اور بسم اللہ کر کے تناسب سور کی فصلیں لکھیں اور یہ بحث ہماری کتاب کے نصف حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ میں اللہ کا شکرگزار ہوں کہ میں نے یہ کتاب اخلاص کے ساتھ محض اس کی خوشنودی کے لیے لکھی ہے۔ میں نے اپنے امکان بھر بیان نظم کی کوشش کی، دو، کسی بات کا دعویٰ نہیں کیا اور اس فطری منطق کو نہیں بھولا جو ایک بدوی کے شعر سے سیکھی تھی۔

فلا کل من یسعی یصید غزالۃ

ولکن من صاد الغزالۃ قد سعی

پس میں نے بیان تناسب کی فصلوں میں، اس اللہ کی مدد سے جو اپنی راہ میں جدوجہد کرنے والوں پر راہیں کھولتا ہے، ہر طرح کے شکار جمع کر دیے ہیں، ہرن بھی اور شیر بھی۔ پس اگر کوئی بیچ سے سچا آدمی بھی یہ کہے کہ تمہاری کوشش لاحاصل ہے تو ہر وہ شخص جو مضبوط شاہدات کو نہیں جھٹلا سکتا اس کی بات کی تردید کر دے گا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ میری جدوجہد لاحاصل ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے تناسب (نظم) کے بعض پہلو بیان کروں جو میں نے کتاب میں ظاہر کیے ہیں اور بقیہ وجوہ جو میں ان اوراق میں بیان نہیں کر سکتا نہایت اعلیٰ اور ٹھوس اور مناسب ہیں[2]

۱۔ سورہ علق (۱۸ : ۳۱)

یہ پہلی سورہ ہے جو نازل ہوئی اور جس نے نبی کے لیے رب العزت کے ساحت جلال کے دروازے کھولے اور دنیا کے لیے اس کی رحمت کے۔ یہ ایک مستقل سورہ ہے جس کو ہر سورہ کے پہلے اور ہر سورہ کے بعد رکھا جانا ممکن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورہ قدر کے ساتھ رکھا جو باعتبار نزول پچیسویں سورہ ہے۔ مجرد اس رکھنے ہی سے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر میں ضمیر مفعول کا مرجع آپ سے آپ واضح ہو گیا۔ نیز آغاز وحی اور رسالت عالم کے ابتداء کی تاریخ بھی واضح ہو گئی کہ وہ ایک اہم ترین اور مقدس ترین دن ہے۔

---

[1] اس پورے پیراگراف کے لیے اللہ تعالیٰ علامہ کو جزائے خیر دے۔ بے شبہ قرآن کے نظم و ترتیب کے حسن و جمال کا حال یہی ہے۔ لیکن اس کو تمام مسلمانوں کے عقیدہ کی حیثیت سے پیش کرنے میں علامہ نے حسن ظن سے کام لیا ہے۔ علماء کا گروہ عظیم تو مدتوں سے اس وہم میں مبتلا ہے کہ نہ تو ایک سورہ کی آیتوں میں کوئی نظم ہے اور نہ باہم دگر سورتوں میں کوئی تناسب ہے بلکہ بہتوں نے تو اس بے نظمی و بے ترتیبی ہی کو قرآن کا اصلی جمال بلکہ اس کا اعجاز قرار دیا ہے۔ خیر القرون کے بعد بہت تھوڑے ہوئے جو نظم قرآن کے صحیح معنوں میں قائل ہوئے اور اس کے لیے سب سے زیادہ صحیح نہج پر کوشش مولانا حمید الدین فراہیؒ نے کی۔ کثر اللہ امثالہ۔

[2] علامہ نے یہاں ہم پر بالکل غلط الزام لگایا ہے۔ مصاحف میں سورتوں کی جو ترتیب ہے وہ ایک عظیم حکمت پر مبنی ہے اور اس کے اسرار پر جو لوگ غور کرتے ہیں ان کی کوشش مبارک کوشش ہے۔ اس سلسلہ میں ہم کو علامہ پر یہ اعتراض نہیں ہے کہ انہوں نے غلط حرف یا بے تیر شکار کیے ہیں۔ بلکہ ہم نے صرف یہ کہا ہے کہ علامہ کی کوشش اس باب میں کوئی خاص قیمت نہیں رکھتی۔ مختصر یہ ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کا موقع نہیں تھا اور اب بھی ہم اس مقدمہ کو طول نہیں دینا چاہتے لیکن چونکہ علامہ نے اپنے بعض نادر انکشافات کا یہاں ہم پر حجت قائم کرنے کے لیے ذکر فرما دیا ہے اس لیے ہم انہی کی منتخب کی ہوئی مثالوں کو واضح کیے دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ علامہ نے کس طرح کے اسرار واضح کیے ہیں اور چونکہ یہ نمونے خود علامہ کے منتخب کیے ہوئے ہوں گے اس وجہ سے لوگوں کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ جس دیگ کے منتخب دانے یہ ہیں اس کے بقیہ ذخیرہ کا کیا حال ہو گا۔

اور آخری آیت جو آنحضرت صلعم پر بروز پنجشنبہ ۷ ربیع الاول ۱۱ھ کو نازل ہوئی وہ یہ ہے: واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون (۲-۲۸۱) اس کی بابت آنحضرت صلعم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کو سورہ بقرہ میں آیت ۲۸۰ کی جگہ رکھیں۔ آنحضرت صلعم کا ایک خاص عدد پر زور دینا بلا وجہ نہیں ہو سکتا اور ایک ایسی بات جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اہتمام فرمایا ہو ہمارے لیے ناممکن ہے کہ ہم اس کو ناقابل توجہ قرار دے دیں۔ اور یہ بھی کچھ اچھی بات نہ ہوگی کہ ہم اس کو کسی ایسے معنی پر محمول کریں جس سے ایک حکیم کے لیے سکوت یا اعراض اولیٰ ہو۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ اس نے ایک خاص عدد پر آنحضرت صلعم کے زور دینے کی علت مجھ پر واضح کر دی۔ چنانچہ میں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۹ پر یہ بات لکھی ہے کہ "خاتمہ نزول نے اپنے آپ مدت نزول بیان کر دی جس طرح سورہ علق کے بعد سورہ قدر (۲۰-۲۱) کے رکھے جانے سے آغاز وحی اور رسالت کی تاریخ بیان ہو گئی۔ اب اگر ان دونوں بیانوں کو یکجا کر دو تو اس سے خود بخود پوری مدت نزول قرآن معلوم ہو جائے گی۔ یعنی لیلۃ القدر رمضان ۱۳ قبل ہجری سے لے کر ۷ ربیع الاول ۱۱ھ کی صبح تک ۲۳ سال پانچ ماہ کی مدت میں قرآن نازل ہوا۔"[1]

---

[1] سورہ اقرا (علق) پر چونکہ لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ اولین وحی ہے اور اس میں قرآن کے نزول اور انسانوں کو نوشتہ آسمانی دیے جانے کی خبر ہے۔ اور اس کے بعد ہی سورہ قدر کو انا انزلناہ (ہم نے اس کو اتارا) سے شروع فرمایا اور ضمیر کا مرجع واضح نہیں فرمایا جس سے ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ اس کا مرجع وہی کتاب اور وحی ہے جس کا ماسبق سورہ میں ذکر ہے اور پھر اس بات سے کہ اس کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا یہ چیز بھی سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہوا۔ یہ بات صحیح ہے۔ چنانچہ اکثر اہل علم کا ذہن اس طرف گیا ہے اور یہ بات علامہ نے بھی کہی ہے اور ہم اس کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کے بعد علامہ نے نزول قرآن کے خاتمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے جو صرف ان کی تنہا تحقیق ہے اور نہایت عجیب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں بقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون (الآیۃ) نازل ہوئی اور آنحضرت صلعم نے خاص طور پر عدد کی تعیین کے ساتھ فرمایا کہ اس کو بقرہ میں ۲۸۰ کی جگہ رکھو۔ یہ عدد خاص پر آنحضرت کا زور دینا بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں ضرور کوئی نکتہ ہے۔ اس کے بعد علامہ اس بھید کو کھولتے ہیں کہ ۲۸۱ کے عدد پر زور دینے سے مقصود آنحضرت صلعم کا قرآن کی مدت نزول کو بتانا تھا کہ یہ ۲۸۱ مہینے ہے۔ ۲۸۱ مہینوں کے ۲۳ سال پانچ ماہ ہوں گے اور روایات سے ثابت ہے کہ یہی مدت نزول قرآن ہے۔ سورہ قدر نے ابتدائے نزول قرآن کی تاریخ واضح کر دی اور بقرہ کی اس آیت نے خاتمہ نزول کی۔ علامہ اپنے اس انکشاف کے بڑے ہی دولت کو نہیں بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں لیکن مختلف وجوہ سے ہمارے دل میں اس نکتہ کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔ اولاً تو یہ کہ قرآن اس طرح کے تاریخی نکات و لطائف سے بہت ارفع مقصد کے لیے نازل ہوا ہے۔ ثانیاً یہ بات ثابت نہیں ہے کہ فی الحقیقت نزول کے اعتبار سے یہ آخری آیت ہے۔ بقرہ میں یہ آیت تحریم ربوا کے حکم کے ذیل میں تکملہ کی حیثیت رکھتی ہے یہ حکم دینے کے بعد کہ اپنے اصل راس المال سے ایک حبہ بھی زائد لیں تو اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ ہے اور وصولی قرضہ میں تنگ حال کو مہلت دو اور اگر کل معاف کر دو تو بہتر ہے یہ فرمایا کہ اس دن سے ڈرو جس دن خدا کے پاس جانا ہے اور ہر جان اپنے کیے کا بدلہ پورا پورا پائے گی۔ پھر اسی سلسلہ کی بات کتابت دین اور رہن کا بیان آجاتا ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ یہ اتنا ٹکڑا اپنے سلسلے سے بالکل الگ آخر میں نازل ہوا ہو جبکہ معلوم ہے کہ سود، کتابت اور رہن کے یہ احکام آخری احکام نہیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کا سیاق کسی راوی کے بیان سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ ثالثاً یہ کہ علامہ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ آنحضرت نے ۲۸۰ کے عدد پر زور دیا۔ ممکن ہے حضور نے فرمایا ہو کہ اس آیت کو بقرہ کی فلاں آیات کے بعد رکھو۔ (روایات سے ثابت ہے کہ حضور یونہی فرمایا کرتے تھے نہ کہ عدد کی تعیین کے ساتھ) اور راوی نے اس بنیاد پر کہ آیت کا نمبر ۲۸۱ تھا حضور کی بات کو عدد کی تعیین کے ساتھ نقل کیا ہو۔ اور روایت بالمعنی کے اعتبار سے یہ بات خلاف حقیقت بھی نہیں ہے۔ پس اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے محض ایک واہمہ پر ایک ہوائی قلعہ تعمیر کر دینا کوئی اچھی بات نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس میں باطنیت کی بو آتی ہے جس سے ہم علامہ جیسے محقق کو ارفع دیکھنا چاہتے ہیں۔

اگر میری یہ کوشش تمھاری نظر میں سعی لاحاصل ہے تو میری نظر میں یہ کوشش اتنی وقیع ہے کہ میں اس کا کوئی بدل بھی قبول نہیں کر سکتا اگرچہ مجھے زمین کے برابر سونا دیا جائے اور اسی کے مثل اس کے ساتھ اور بھی۔

۲۔ سورہ قصص، اسراء، اور یونس یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں۔ ان کے درمیان کوئی اور سورہ نازل نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلعم نے سورہ یونس کو توبہ کے بعد رکھا۔ میں نے اللہ کی مدد اور توفیق و ہدایت سے ان سورتوں کی نزولی ترتیب کی حکمت بھی بیان کی اور ان کی جو ترتیب مصاحف میں ہے اس کے وجوہ بھی واضح کیے اور مجھے امید ہے کہ ہر شریف اور منصف آدمی جو ان تینوں فصلوں پر غور کرے گا ان کو پسند کرے گا یا ان سے بہتر وجوہ حکمت سے ان کی تائید کرے گا۔[1]

ہر سورہ سے متعلق جو فصلیں لکھی ہیں ان میں نئے نئے فوائد اور آیات قرآن کے معانی سے متعلق نہایت دقیق اور پرحکمت باتیں ہیں جن کو میں نے اس خیال سے کھل کر بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کے شوق کی قدر افزائی ہو اور وہ کتاب کے پڑھنے میں جو زحمت اٹھائیں اس کا صلہ پائیں۔

قول خداوندی فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا (پس ان کے ایمان نے کچھ نفع نہیں دیا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا) کو قوم یونس کے مستثنیٰ رکھے جانے کے باب میں میں نے ایسی نادر حکمت بیان کی ہے جو اس کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب میں نہ مل سکے گی (ص ۹۷)[2]

۳۔ سورہ رحمان باعتبار نزول رعد کے بعد ہے اور مصاحف میں سورہ قمر کے بعد رکھی گئی ہے۔ میں نے اللہ کی مدد سے اس کی نزولی ترتیب کی حکمت بھی کھول دی ہے اور مصحف کی ترتیب کا راز بھی بیان کر دیا۔[3] (ص ۱۴۷)

[1] علامہ کے نزدیک سورہ قصص کے بعد سورہ اسراء کے نزول کا راز یہ ہے کہ سورہ قصص میں موسیٰ علیہ السلام کا پورے دس سال مدین میں ٹھہر کر آیات الٰہی کا سیکھنا بیان ہوا ہے اور سورہ اسراء واضح کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم کو ایک ہی شب میں تمام اسرار ملکوت کی سیر کرا کے سمیع و بصیر بنا دیا گیا۔

سورہ توبہ کے بعد سورہ یونس کے رکھے جانے کا رمز علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ سورہ یونس میں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت یونس کی دعا و ہدایت خلق کے بارہ میں تنگ نظری بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ و ہارون نے فرعون کی تباہی کی دعا کی، اسی کے مشابہ حضرت یونس کا حال ہوا برعکس اس کے آنحضرت صلعم اپنے سینہ میں ساری خدائی کا درد رکھتے تھے اور آپ اپنی قوم کے لیے بددعا نہیں کی گرسورہ یونس کو سورہ توبہ کے ساتھ رکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ جس طرح تبوک میں پیچھے رہنے والوں کی توبہ قبول ہوئی اسی طرح ان تینوں نبیوں کی توبہ بھی قبول ہوئی۔

یہ نکتے میلاد خواں واعظوں کی گرمی محفل کے لیے تو موزوں ہیں مگر اہل علم کو ان پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

[2] علامہ کی اس نادر حکمت کو اہل علم سے درخواست ہے کہ اصل کتاب میں خود ملاحظہ فرمالیں، ہم تو اس کو نقل کرنے کی ذمہ داری بھی نہیں اٹھا سکتے البتہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مولانا کی اس طرح کی غلطیوں کو معاف کرے۔

[3] یہ نکتہ علامہ کا شاہکار ہے۔ سورہ رحمٰن میں پہلا سوال علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس میں پہلے قرآن کے سکھائے جانے کا ذکر ہے اور اس کے بعد انسان کی پیدائش کا تو انسان کی پیدائش سے پہلے آخر کس کو خدائے رحمٰن نے قرآن سکھایا؟ علامہ اس سوال پر مدتوں غور کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ ان پر یہ راز کھولا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے خود قرآن مجید کو سکھایا کہ وہ کس طرح دلوں کو تسخیر کرے اور عالم میں انقلاب برپا کرے۔ بالآخر قرآن نے اللہ تعالیٰ سے تسخیر قلوب کا فن سیکھ کر دلوں کی صفیں الٹ دیں اور کائنات میں ہلچل برپا کر دی

(باقی حاشیہ صفحہ ۸۶ پر)

اگر کوئی شخص ان حکمتوں کا منکر ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے انکار کی وجہ پیش کرے اور جو حکمت میں نے بیان کی ہے اس سے بہتر کوئی بات ہمارے سامنے رکھے اور محض بات بنانے کے لیے نہ تو نظم قرآن پر کوئی اضافہ کرے بلکہ الرحمٰن علمہ القرآن کے نظم کی لفظی پیروی کرے اور نہ یہ کہنے کی جسارت کرے کہ اس میں مفعول اول محذوف ہے اور قرآن مفعول ثانی ہے کیونکہ نظم قرآن کی اصلاح و ترمیم کی جسارت کسی مسلم کی شان نہیں ہے۔

میں ان تین مثالوں پر کفایت کرتا ہوں۔ ساری فصلوں کی شان تحقیق یہی ہے۔ ہر ایک میں قرآن کریم کے علوم، آیات کے معانی اور مصاحف کی تاریخ سے متعلق نہایت زریں حقائق و اصول بیان ہوئے ہیں۔

میں تمام اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم وہ مجھے بتائیں کہ اس طرح کی کتاب سے کیا خطرے متصور ہیں اور خود قرآن کریم کی روشنی میں وجوہ ترتیب اور وجوہ تناسب بیان کرنے سے کن فتنوں کے اٹھ کھڑے ہونے کا احتمال ہے۔ وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

TowordsUnder standing

Islam

(رسالہ دینیات کا انگریزی ترجمہ) قیمت مجلد تین روپے

اسلام اور اشتراکیت

(از مولانا مسعود عالم صاحب ندوی) قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:۔

مکتبہ جماعت اسلامی، دار الاسلام، جمالپور، پٹھان کوٹ (پنجاب)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵) سورہ رعد کے بعد سورہ رحمٰن کے نزول کا راز یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن رعد کی آیت ولو ان قرآنا الایۃ کی تفصیل ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن سے شی نادان تمام خصوصیات کا حامل ہے۔ اس سے پہاڑ چلنے لگیں گے، زمین شق ہو جائے گی، مردے بولنے لگیں گے۔

سورہ قمر کے بعد اس کے رکھے جانے کی وجہ علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ چاند کا پھٹنا قرآن کی تاثیر سے ہوا اور قرآن کا یہ معجزہ پہاڑوں کو چلا دینے اور مردوں کو زندہ کر دینے سے زیادہ شاندار ہے۔

ان نکات پر ہم کوئی تبصرہ غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اہل علم خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ ذوق سلیم کہاں کہ ہم ان پر جھوم جائیں۔ جی چاہتا ہے کہ اس جہان معانی و حکمت کے کچھ موتی ہم اپنے انتخاب سے بھی پیش کریں لیکن اس قصہ کو طول دینے سے کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔

رسائل و مسائل

مسلمانوں کو اسلام سے بچانے کی فکر

سوال :۔ اگر آپ اپنی اسلامی تحریک کو کفار و مشرکین سے شروع کرتے اور "نسلی مسلمانوں" کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتے تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا ؟
(اس کے علاوہ اس مراسلہ میں "نسلی مسلمان" کی اصطلاح پر بھی سخت آزردگی کا اظہار کیا گیا ہے)

جواب :۔ آپکے اس فقرے کو پڑھ کر بڑا افسوس ہوا۔ مجھے معاف فرمائیں اگر میں صاف کہوں کہ اس فقرے میں مجھے یہودیانہ ذہنیت کی بو آتی ہے۔ برائے خدا سوچیے کہ اگر یہ دعوت حق ہے تو نسلی مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کی طرف رجوع کرنے کا آپ کیوں مشورہ دے رہے ہیں ؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حق آپ لوگوں کے لیے ناقابل برداشت ہے اور آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسے آپکے دروازے ہی سے دور رکھا جائے ؟ — لیکن اگر یہ دعوت باطل ہے، تو خواہ نسلی مسلمان ہوں یا کفار و مشرکین، آپ کو اصرار کرنا چاہیے کہ دونوں گروہ اس سے محفوظ رہیں۔ "نسلی مسلمانوں" کا لفظ معلوم ہوتا ہے کہ آپکے دل میں بری طرح چبھا ہے اور اسی لیے آپ اسے طعن آمیز طریقہ سے بار بار دہراتے ہیں۔ لیکن اگر آپکے پاس ان تمام نسلی مسلمانوں کو اصلی مسلمان ثابت کرنے کے لیے کچھ دلائل ہیں تو ارشاد فرمایئے تاکہ میں پھر ان الفاظ سے توبہ کر لوں۔

کائناتی اور حیاتی ارتقاء

سوال :۔ آپنے رسالہ ترجمان القرآن جلد ۳ عدد ۶ صفحہ ۳۹۶ تا صفحہ ۳۹۹ میں اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کے زیر عنوان نظام عالم کے انجام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپنے لکھا ہے کہ "اس نظام کے تغیرات و تحولات کا رخ ارتقاء کی جانب ہے۔ ساری گردشوں کا مقصود یہ ہے کہ نقص کو کمال کی طرف لے جائیں" وغیرہ — آخر یہ کس قسم کا ارتقاء ہے ؟ حیوانی زندگی میں ؟ جماداتی یا انسانی زندگی میں ؟ یا مجموعاً تمام نظام عالم کی زندگی میں یہ ارتقا کار فرما ہے ؟ نیز اگر ہر بگاڑ سے ارتقائی اصلاح ظاہر ہوتی ہے تو پھر تو وہی بات ہوئی جو ہیگل نے (Theis & anti-Theis) اور ڈارون نے (Survival of the fittest) میں پیش کی ہے۔ براہ کرم مدعا کی وضاحت کیجیے۔

جواب :۔ جس ارتقاء کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ہیگل اور ڈارون دونوں کے نقطہ نظر سے مختلف ہے۔ ہیگل تو تصورات اور خیالات کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی نزاع کی بدولت تصورات کا ارتقاء ہوتا ہے۔ اور ڈارون حیات کے ارتقا کا ذکر کرتا ہے اور اس کے نزدیک یہ ارتقا تنازع للبقاء (Struggle for existance) انتخاب طبیعی (Natural selection) اور بقائے اصلح (Survival of the fittest) کے اصول سہ گانہ کے ماتحت واقع ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف میں نے آپ کی دریافت کردہ عبارت میں جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی کمتر درجہ کی چیزوں سے تخلیق کی ابتدا کر کے بتدریج بلند تر درجہ کی چیزیں پیدا کرتی رہی ہے۔ مثلاً جمادات پہلے پیدا کیے گئے۔ اس کے بعد نباتات، پھر حیوانات، اور حیوانات میں بھی کمتر درجے کے حیوانات پہلے پیدا کئے گئے اور پھر بتدریج اعلیٰ قسم کے حیوانات پیدا کیے جاتے رہے، یہاں تک کہ بلند ترین نوع یعنی انسان کو پیدا کیا گیا۔ قدرت کا یہی قاعدہ اس عالم پر بحیثیت مجموعی بھی